برصغیر پاک و ہند میں شیعیت کی اشاعت کیونکر ہوئی ؟

مغلیہ خاندان کے حکمرانوں کی اکثریت سنی تھی، بلکہ بعض تو ان میں "پرجوش" سنی عقیدہ رکھتے تھے، تاہم یہ بھی دلچسپ حقیقت ہے کہ شیعیت کا خمیر بھی انہی کے دور میں اٹھا۔ شیعیت نہ صرف شاہی درباروں میں پروان چڑھی بلکہ زیر زمین شاہی خانوادوں کی عورتیں تک حکومتی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے لگیں۔ بابر مغلیہ خاندان کا بانی جب ہندوستان آیا تو ایران کے صفوی حکمرانوں نے اس شرط پر اس کی مدد کی تھی کہ وہ شیعی عقائد کو ہندوستان میں فروغ دے گا اور اس کے جانشینوں نے اس "عہد" کی سختی کے ساتھ پابندی کی۔ مغلیہ خاندان کے حکمرانوں کی ترتیب کچھ اس طرح ہے :

۱۔ بابر ۱۵۲۶ء (۹۳۳ھ)
۲۔ ہمایوں ۱۵۳۰ء (۹۳۷ھ)
۳۔ اکبر ۱۵۵۶ء (۹۶۴ھ)
۴۔ جہانگیر ۱۶۰۵ء (۱۰۱۴ھ)
۵۔ شاہجہان ۱۶۲۷ء (۱۰۳۷ھ)
۶۔ اورنگ زیب ۱۶۵۸ء (۱۰۶۸ھ)
۷۔ بہادر شاہ ۱۷۰۷ء (۱۱۱۹ھ)
۸۔ جہاندار شاہ ۱۷۱۲ء (۱۱۲۴ھ)
۹۔ فرخ سیر ۱۷۱۳ء (۱۱۲۵ھ)
۱۰۔ دو دعوی دار ۱۷۱۹ء (۱۱۳۲ھ)
۱۱۔ محمد شاہ ۱۷۱۹ء (۱۱۳۲ھ)
۱۷۴۸ء (۱۱۶۱ھ)

ظہیر الدین بابر کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے پانچویں پشت میں تیمور لنگ (جسے تیمرلین اور فاتح ایشیا بھی کہا جاتا ہے) سے جا ملتا ہے اور ماں کی طرف سے پندرھویں پشت میں چنگیز خاں سے ملتا ہے۔ تیمور نے ایک وسیع سلطنت قائم کی تھی جو اس کے مرنے کے بعد بہت جلد سکڑ گئی۔ ۱۴۹۴ء میں گیارہ سال کی عمر میں بطور میرزائے فرغانہ اپنے والد کا جانشین ہوا۔ ۱۴۹۷ء میں ازبک نے اسے عملی طور پر بے ملک بادشاہ کے طور پر چھوڑ دیا۔ پھر بھی بابر نے اسے نہ چھوڑا۔ خوش قسمتی سے

بابر نے ۱۵۰۴ء میں کابل (غزنہ) اور بدخشاں کو فتح کر لیا۔ یہ وہی وقت ہے جب اسماعیل ایران میں صفوی خاندان کی نیو اٹھا رہا تھا۔ اگرچہ تیمور کے بارے کہا جاتا ہے کہ وہ شیعہ تھا[۱] مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے آباء و اجداد سُنّی عقیدہ رکھتے تھے اور سنی عقائد ہی کی انھوں نے ترویج کی۔ ۱۳۸۰ء کے بعد تو تیمور اسلام کا محافظ و پشتیبان بن گیا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت ریاست میں شیعیت نے مضبوط جڑیں پکڑ لیں، جیسے ہرات میں، جہاں سلطان ابن بایقرا نے ایران کے اتباع میں شیعیت کو ریاست کا مذہب بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ بابر نے اپنی خود نوشت میں اور براؤن نے بھی اس کے متعلق لکھا ہے کہ:

"سزاؤں کے نفاذ یا پالیسی بناتے وقت اس نے شیعہ فرقے کی بہت حمایت کی اور اس چیز نے وسطی ایشیاء کی سُنی رعایا کی نظروں میں اسے غیر مقبول بنا دیا۔"[۲]

۱۵۱۰ء میں جب بابر نے سمرقند کو دوبارہ اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہا تو شاہ اسماعیل صفوی سے مدد کا طلب گار ہوا۔ بابر کی اس شرط پر مدد کی گئی کہ شاہ اسماعیل صفوی کو مفتوحہ علاقہ میں "محدود فرمانروائی" کے اختیارات حاصل ہوں گے۔ محدود فرمانروائی یہ تھی کہ بابر ایرانی حکمرانوں کا عطا کردہ شیعی عقائد کی نمائندگی کرنے والا لباس بشمول ٹوپی کے پہنے گا۔ اس ٹوپی میں بارہ نقطے لگے ہوئے تھے جو اثنا عشری عقیدہ کے مطابق بارہ اماموں کو ظاہر کرتے تھے۔ یہ شرط بھی درج تھی کہ ساری سپاہ ہی یہ لباس پہنے گی، جس میں ٹوپی کی پابندی بہت لازمی قرار دی گئی۔[۳]

اس طرح کچھ دیر تک تو بابر نے اپنے آباء کی سرزمین پر قدم جمائے رکھا، مگر جلد ہی یہ زمین اس کے پاؤں تلے سے کھسک گئی اور وہ کابل روانہ ہو گیا۔ قندھار کو اس نے حکومت میں شامل کر لیا۔ وہ شاہ اسماعیل صفوی کا وفادار رہا اور بظاہر تو وہ شیعہ عقائد ہی کا پیرو رہا۔ شاہ اسمٰعیل صفوی کا وہ اس قدر شکر گزار و احسان مند تھا کہ شاہ کے متوسّل کی حیثیت سے اس نے اپنے عالی قدر کے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا۔[۴]

بابر نے ہندوستان پر ایک ابتدائی حملہ کیا جسے صرف "تمہیدی جائزہ" ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اسے یہ ملک پسند آیا۔ ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں شمال مغربی ہندوستان کا کنٹرول سنبھال لیا۔ کئی سالوں بعد شاہ اسماعیل صفوی ایرانی بادشاہ نے عادل شاہی حکومت کو خود مختار ریاست تسلیم کر لیا۔ بابر نے بہت تیزی کے ساتھ اپنی فتوحات کو مشرق کی جانب بنگال اور وسطی ہندوستان تک بڑھانا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے ایک تیموری دوست کے توسط سے

سندھ کو بھی ایک حد تک اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ جب بابر نے اپنی حکومت مستحکم کر لی تو مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ لاہور میں ڈھلنے والے سکوں پر خلفاء اربعہ کا نام کندہ کیا جانے لگا۔ جس کے متعلق (Buckler) بکلر کا کہنا ہے کہ اب بابر ایرانی شہنشاہ اور ترکی سلطان کے لیے "خطرے کی گھنٹی" بن گیا اور دونوں کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کر گیا۔ صفوی حکمران کے لیے تو بابر نے اپنی اطاعت سے روگردانی کر لی، اور ترکی سلطان کے لیے تو گویا بابر نے اس سے حق حکمرانی چھین لیا۔[۵] ڈاکٹر عبدالرحیم نے اپنے ایک مضمون "مغل ایران حکمرانوں کے تعلقات" میں نشاندہی کی ہے کہ کس طرح عثمانی سلطان نے ہند، ایرانی دوستی کو توڑنے کی کوشش کی اور ایرانی شیعیت کے خلاف محاذ بنانے کی ناکام کوششیں کیں۔ مغل بادشاہ نے اس امید پر "شیعیت سے انحراف" کا الزام قبول کر لیا کہ شاید ہمیں اس طرح مغرب و شمال کی اپنے آبار کی سرزمین دوبارہ مل جائے۔ بہرحال قسطنطنیہ بہت دور تھا، دہلی اور ایران کے درمیان قندھار وجہ تنازعہ بن گیا۔ مگر چوں کہ صفویوں کے تیموریوں پر احسانات تھے جس نے پہلے ہی سے تیموریوں کے دل میں شیعی عقائد کے لیے نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا اور اس وجہ سے یہ قضیہ ختم ہو گیا اور تیموری ایران کے دوست بن گئے۔

ریاست بھوپال کی لائبریری میں محفوظ بابر کی اپنے بیٹے کے لیے ایک وصیت ملی ہے جس کے متعلق یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس کی زندگی کا نچوڑ ہے ؛

"شیعہ سنی اختلافات کو ہمیشہ نظرانداز کرنا ورنہ یہ اسلام کو کمزور کر دیں گے"۔[۶] بابر نے آگرہ میں ۱۵۳۰ء میں وفات پائی اور کئی سال بعد اس کی لاش کابل منتقل کر دی گئی اور اپنے موجودہ مزار یعنی کابل کے باغوں میں سے ایک باغ میں اسے دفن کیا گیا۔[۷]

شیعیت عہدِ ہمایوں میں

بابر نے خصوصی طور پر ہمایوں کو اپنے بعد اپنا جانشین نامزد کیا۔ ہمایوں کی ماں ایک ایرانی شیعی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ ہمایوں کے اذواق، اور تعلیم خالص ایرانی تھی۔ اس کے بھائی اس کے خلاف تھے۔ شیر خاں نے بابر کی حکومت کو تو تسلیم کیا مگر ہمایوں کو رد کر دیا اور دو مرتبہ اسے شکست دے کر ایران بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ ہمایوں اپنی خواہش کے برعکس ایران گیا، وہاں وہ سیستان کے گورنر کے ہاں ٹھہرا اور ایرانی بادشاہ کی طرف سے کسی امید افزا بات کا انتظار کرنے لگا۔ اس عرصہ میں اس کے شب و روز گورنر سیستان کے بھائی حسین قلی خاں کے ساتھ گزرتے اور یہاں اس نے شیعیت کے

متعلق بہت کچھ سیکھا۔ ہمایوں شاہ کی طرف سے عدم التفات پر حسین قلی کے ساتھ مشہد اور ہرات کی طرف روانہ ہوگیا۔ آخر کار شاہ ایران کی طرف سے فرمان جاری ہوا کہ ہر صوبہ میں ہمایوں کے ساتھ شاہی آداب بجا لائے جائیں۔ ہمایوں چالیس دن تک مشہد میں ٹھہرا، اور امام علی رضا کے مقبرے پر حاضری دی۔

حج سے واپسی پر شاہ ایران کی طرف سے ہمایوں کو خلعت شاہی عطا ہوا۔ ہمایوں نے شاہی لباس زیب تن کیا، مگر ٹوپی نہ پہنی۔ شاہ سے ملاقات پر شاہ نے سب سے پہلے "تاج شاہی" کے متعلق پوچھا۔ ہمایوں فوراً سمجھ گیا اور بولا کہ یہ تو عظمت کی نشانی ہے اور میں اسے ضرور پہنوں گا۔ اس پر شاہ نے خود اپنے ہاتھ سے ہمایوں کے سر پر تاج رکھا۔ کہنے کو تو یہ رسم پوری ہوگئی مگر تاج، جو اثنا عشری عقیدے کی نشانی تھا، ہمایوں کے نہ پہننے سے شاہ کے دل میں ہمایوں کے متعلق گرہ بندھ گئی اور خود ہمایوں نے بھی دل سے اسے قبول نہ کیا۔ ہمایوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ طہماسپ شاہ صفوی اس حیلے سے اسے آزمانا چاہتا تھا کہ ہمایوں کس حد تک ان کے زیر اثر آ سکتا ہے؟ فرشتہ کہتا ہے کہ شاہ کے بیٹے بیرم مرزا کے دل میں ہمایوں کے لیے شدید نفرت پیدا ہوگئی، اور وہ ہمایوں کے متعلق شاہ کے کان بھرتا رہا۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ ہمایوں کو اپنی قید یا موت کا یقین ہو چلا، حتیٰ کہ شاہ کی بہن سلطانہ بیگم نے اس کی سفارش کی۔ سلطانہ بیگم نے ہمایوں کی حضرت علیؓ سے محبت و عقیدت پر ایک نظم بھی لکھی۔ شاہ نے اس شرط پر کہ اگر ہمایوں شیعیت قبول کرلے اور شیعی عقائد کی اشاعت و فروغ کا وعدہ کرلے تو نہ صرف اس کی جان بخشی کی جائے گی بلکہ اس کے تخت کی بازیابی کی کوشش میں اس کی مدد بھی کی جائے گی۔ ہمایوں نے سلطانہ بیگم پر اپنی رضامندی کردی اور مزید کہا کہ وہ تو پہلے ہی سے لوگوں کو شیعیت کی ترغیب دیتا رہا ہے، اور اسی وجہ سے اس کے بھائی اس کے دشمن ہوگئے۔ ۲۰ھ

بالسٹر کے مطابق ہمایوں کو شیعیت کی ترغیب دینے کے دوران شاہ ایران کی طرف سے یہ دھمکی بھی دی گئی کہ اگر وہ اپنے آپ کو شیعہ ظاہر نہ کرے گا تو اسے ساتھیوں سمیت آگ کے الاؤ میں پھینک دیا جائے گا۔ اس دھمکی کے بعد شاہ کا ایک وزیر اس کے پاس آیا۔ ہمایوں چاہتا تھا کہ اسے لکھ کر بتایا جائے کہ اسے کیا کرنا ہوگا، اس کے بعد خود شاہ کی ہمایوں کے ساتھ ملاقات ہوئی اور لکھ کر معاہدہ طے پایا۔ ۲۱ھ

(MARSH MAN) مارش مین نے اس پر مزید لکھا ہے کہ جب ہمایوں نے معاہدے کے

لیے خلعت اور سرخ ٹوپی پہنی تو فتح مندی کے طور پر شاہ کے بینڈ نے فتح کی دھن بجائی۔ اور الفنسٹن نے زور دے کر کہا ہے کہ ہمایوں نے نہ صرف شیعی عقائد کو قبول کیا بلکہ قندھار کو شاہ کے حوالے کرنے اور ہندوستان میں شیعیت کی اشاعت و فروغ کا پکا وعدہ کیا۔ ہمایوں کے شیخ صفی کے مزار پر زیارت کی غرض سے جانے کی اجازت چاہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خود سپردگی معمولی بات نہ تھی۔ اسے اس بات کی توقع تھی کہ شاہ اسے ایسا کرنے سے ہر طرح کی سہولت دے گا۔ شاہ کو خوش کرنے کے لیے ہمایوں نے مقبرہ پر بیش قیمت تحائف بھی اسی غرض سے چڑھائے۔

سلطانہ بیگم کے مطابق تو ہمایوں کے بھائیوں کی ہمایوں کے ساتھ دشمنی کی وجہ اس کے شیعی عقائد کی طرف جھکاؤ تھی۔ اگر یہ خیال درست ہے تو "تبدیلیٔ مذہب" ہمایوں کے لیے چنداں مشکل نہ تھی، کیوں کہ وہ شاہ ایران کا آلۂ کار نہ بننا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس طرح تو جس مخالفت نے اسے تخت سے اتارا تھا، تخت کی واپسی پر یہ مخالفت بڑھ جائے گی، مگر دہلی کو واپس لینے کا خیال ہمایوں کو چین نہ لینے دیتا تھا۔

ہمایوں نے جب معاہدے پر دستخط کر دیئے تو بیرم بیگ کو، جو ہر وقت ہمایوں کے ساتھ لگا رہتا تھا، بیرم خاں کا خطاب دے کر فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا اور ہمایوں نے پندرہ سال بعد دوبارہ ۱۵۵۶ء میں ہندوستان کا رُخ کیا۔ بیرم خاں اس عرصے میں شاہ اور ہمایوں کے درمیان رابطہ افسر اور ہمایوں کا ایک طرح سے وزیرِ اعظم رہا۔ ہمایوں دہلی میں صرف چھ ماہ زندہ رہا اور اپنی لائبریری کی سیڑھیوں سے پھسل کر مر گیا۔

عہدِ اکبری میں شیعیت کا اثر و نفوذ

اکبر کی ماں بھی شیعہ تھی۔ ہمایوں کی وفات کے وقت اکبر ابھی بچہ تھا۔ اکبر کے بلوغت کو پہنچنے تک بیرم خاں (جو ایک متشدد شیعہ تھا اور اس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں) قائم مقام بادشاہ رہا۔ اس نے عبداللطیف کو اکبر کا اتالیق مقرر کیا۔ عبداللطیف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب یہ ایران میں تھا تو اس پر سنی ہونے کا الزام تھا اور ایران چھوڑ کر ہندوستان آ گیا تو اسے شیعہ سمجھا گیا۔ بیرم خاں بابر اور ہمایوں دونوں کی ملازمت میں رہا تھا اور دونوں کی ہندوستان کی بازیابی کی کوششوں میں شریک رہا تھا۔ اس کی طویل رفاقت سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اکبر نے اس سے کس قدر اثر قبول کیا ہو گا۔ بدایونی نے اکبر کی بدعتوں کے متعلق لکھا ہے کہ:

"یہ خیالات اس کے ذہن میں ایک عرصے سے پرورش پاتے رہے جو آہستہ آہستہ

پختہ ہو کر یقین کے درجے تک پہونچ گئے۔"

HOLLISTER لکھتا ہے کہ ۱۵۶۴ء میں اکبر کے ہاں جڑواں بیٹے پیدا ہوئے اور اس نے ان کا نام حسن اور حسین رکھا۔[۱۳] صدر الصدور سلطنت کا سب سے بڑا عہدہ سمجھا جاتا تھا، جو ایک سنی شیخ عبدالنبی کے پاس تھا اور اس عہدے کو لامحدود اختیارات حاصل تھے۔ کسی بدعت پر سخت سزا دینے اور شاہی زمین عطا کرنے کے اختیارات بھی اسے حاصل تھے۔ یہ عہدہ صرف سنیوں کو دیا جاتا تھا، لیکن بیرم خاں نے شیخ عبدالنبی کو ہٹا کر ایک شیعہ کو یہ عہدہ دے دیا۔ بیرم خاں کے اس "عمل" نے ہندوستان و خراسان کے سنیوں کے دلوں میں بے چینی پیدا کر دی اور بلوے شروع ہو گئے۔ بیرم خاں کو آخر کار اپنے عہدے سے ہاتھ دھونا پڑا، بعد میں یہ انتظام اکبر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بیرم خاں کے خلاف نفرت اس قدر زور پکڑ گئی کہ انھوں نے اکبر کے ایک علاتی بھائی کو کابل میں ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور اکبر نے اسے شکست دے دی۔

۱۵۶۷ء میں اکبر پہلی مرتبہ شیخ فیضی سے چتوڑ میں ملا۔ اس کا دادا نسلاً عرب تھا۔ یہ سیستان سے ناگور آیا، بعد میں یہاں سے فیضی کا باپ ملّا مبارک، آگرہ چلا آیا۔ ملا مبارک کا دوسرا بیٹا ابوالفضل فیضی سے چار سال چھوٹا تھا۔ اس نے شاعری میں بڑا نام پایا اور اپنی روزی طب کے پیشے سے حاصل کرتا۔ فیضی نے شہزادی کو اعلیٰ علمی مدارج تک تعلیم دی تھی اور ۱۵۶۸ء میں دربارِ اکبری سے منسلک ہو گیا، جبکہ ابوالفضل ۱۵۷۴ء میں دربار سے متعلق ہوا۔ ان دونوں بھائیوں اور ان کے والد نے مل کر اکبری دربار میں نہایت اعلیٰ مقام حاصل کر لیا۔ ملا مبارک انتہائی عمیق مطالعہ والا شخص تھا۔ وہ شیخ علائی کا پیروکار بھی رہا تھا جو کہ مہدی موعود کا مدعی تھا اور اس نے معاشرتی اصلاح کا کام شروع کر رکھا تھا۔ شیخ علائی کو سلیم شاہ کے زمانہ میں مخالف علماء نے سزائے موت دلوائی تھی، جسے سلیم شاہ نے جلاوطنی میں تبدیل کر دیا۔ مگر شیخ نے یہ سزا قبول نہ کی اور آخر کار کوڑے کھاتے ہوئے اس کی موت واقع ہوئی۔

ملّا مبارک نے آگرہ میں ایک مدرسہ کھول رکھا تھا جس میں اس کے مخصوص مذہبی خیالات کی تعلیم دی جاتی تھی، بایں وجہ اسے سنی علماء کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک موقع پر اس کے بیٹے نے قاضی جہاں شیخ عبدالغنی سے جاگیر مانگی جو صرف اس بناء پر رد کر دی گئی اور اسے دھکے دے کر بے عزت کر کے باہر نکال دیا گیا کہ وہ شیعہ تھا۔

اکبر سے ان تینوں باپ بیٹوں کی ملاقات تک اکبر ایک خالص سنی مسلمان تھا۔ ملا مبارک

اور اس کے بیٹوں نے عمومی طور پہ مذہب میں "جدت پسندانہ" رویہ رکھا اور اکبر میں ہر کام میں جدت پسندی کے رجحانات کو تقویت دی۔ بدایونی نے فیضی کے متعلق لکھا ہے:

"ایک مصنف کی حیثیت سے کبھی وہ سنجیدہ، کبھی خوش طبع ظریف اور مسخرہ، کبھی خودپسند، متکبر، بدباطن و بدخواہ ہوتا ہے۔ وہ مکار و ریاکار محبِ جاہ کا دلدادہ، خبیث و منافق تھا۔ اس کی خودپسندی و عداوت و بدزبانی سے اس کے اسلاف و اخلاف محفوظ نہ تھے۔" نیز یہ کہ:

"وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء صحابۂ کرام رض، صلحاء و مقدس ترین ہستیوں اور تمام مسلمانوں کے عقائد کا کھلے عام مضحکہ اڑاتا۔ اس کا رویہ اس قدر مکروہ اور نفرت انگیز ہوتا کہ اس سے تو یہودی، ہندو، عیسائی اور صابی تک ہزار درجہ بہتر حالت میں ہوتے۔ اس نے ہر کام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف کیا۔"

ابوالفضل نے ایک ایسا رویہ بنانے میں قائدانہ رول ادا کیا جس میں مذہب کی کوئی قید نہ ہو۔ اس نے آزاد خیالی و بے لگامی کو رواج دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ فتح پور سیکری میں تمام مذاہب کے علماء کو اکٹھا کر کے آزادانہ بحث و مباحثہ شروع کیا۔ اس مباحثے میں شریک ہونے والوں میں صوفی، طبیب، واعظین، قانون دان ــــ سنی، شیعہ، برہمن، جین مت اور بدھ مت کے پیرو، چاربک (ہندوؤں کا مادہ پرست فرقہ) عیسائی، یہودی اور ہر عقیدے کے پڑھے لکھے لوگ تختِ شاہی کے سامنے بیٹھتے اور مباحثہ ہوتا، جو علمی دنگل کی شکل اختیار کر لیتا۔

۱۵۷۶ء میں اکبری عہد کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب ایران سے بتدعانہ خیالات کے حامل افراد جوق در جوق ہندوستان آنے لگے۔ ایران میں ایک عظیم تبدیلی آئی کہ شاہ اسماعیل صفوی نے شیعی عقائد کو خیر آباد کہہ کر سنی عقائد قبول کر لیے۔ اس سے ایران میں صورتِ حال یکسر تبدیل ہو گئی اور جن لوگوں کے لیے ایران میں جائے پناہ نہ تھی، ہندوستان آئے تو ہاتھوں ہاتھ لیے گئے۔ ان کی اکثریت دربارِ شاہی سے منسلک ہو گئی۔ یہ گویا ہندوستان پر ایران کا ہتھیاروں کی بجائے فکری و ذہنی حملہ تھا۔ ان میں بہت سے مذہبی لیڈر، شعراء، سکالرز اور فلاسفر تھے جنھوں نے ہندوستانی تہذیب پر گہرا اور دیرپا اثر چھوڑا۔ کچھ کو تو خاص قسم کی بدعتوں سے دلچسپی تھی اور کچھ اپنے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے "مباحثے" میں بڑے جوش و جذبے سے شریک ہوتے۔ ذیل میں ایک سُنی معاصر کے دو اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ اساس پسندی

مسلمان اس کو کس نظر سے دیکھتے تھے ؟ پہلا اقتباس گیلان سے دہلی آنے والے تین بھائیوں کے متعلق ہے :

"بڑا بھائی اپنی انتہائی غیر معمولی چاپلوسی سے بادشاہ پر حاوی ہو گیا۔ وہ کھلے عام خوشامد سے باز نہ رہتا، موقع کی مناسبت سے بادشاہ کے مذہبی رجحانات کے مطابق اپنے آپ کو بدل لیتا اور بادشاہ کے بدعی خیالات کو مزید آگے بڑھاتا۔ وہ بہت جلد اکبر بادشاہ کا گہرا دوست بن گیا۔ بعد میں ایک اور شخص یزد سے ملّا محمد آیا۔ شاہی درباریوں میں شامل ہو گیا۔ اس نے بہت سے جھوٹے قصّے گھڑے اور صحابہ کرامؓ سے منسوب کرنے شروع کر دیے۔ اس طرح ملّا محمد یزدی نے بادشاہ کو صحابۂ کرامؓ سے بدظن کرنے اور اسے شیعہ بنانے کی کوششیں کیں، لیکن جلد ہی اسے بیربل، شیخ ابوالفضل اور ابوالفتح نے پیچھے دھکیل دیا۔ اس اتحادِ ثلاثہ نے تو اکبر کو مذہب ہی سے برگشتہ کر دیا۔ ان کی وجہ سے اکبر کا وحی والہام، صحابہ کرامؓ، معجزات و کرامات اور شریعتِ اسلامیہ سے ایمان اٹھ گیا۔ حتیٰ کہ نمازِ پنج وقتہ، روزہ، وحی والہام کو برسرِعام مجہول اشارے کہا جانے لگا، جو خلافِ عقل ہیں۔ مذہب کی بنیاد وحی کے بجائے عقل قرار پائی۔" [۱۴]

ملا احمد ٹھٹوی جو مرتد ہو گیا تھا اور عراق میں بدعتی ایرانی شیعوں کے ساتھ رہا تھا، اس نے ان کی بدعتوں کو کس خوبصورتی کے ساتھ آگے بڑھایا؟ ملاحظہ ہو :

"وہ بائیس سال کی عمر میں مشہد گیا، یزد اور شیراز گیا، وہاں سے اس نے طب کا علم حاصل کیا۔ "کلیاتِ قانون" اور شرح تجرید مع تمام شروح کے پڑھیں۔ وہاں سے قزوین گیا۔ شاہ طہماسپ سے ملا اور شاہ اسماعیل، جو اب سنی ہو چکا تھا، سے ملا۔ عراقِ عرب مکہ بھی گیا۔ ان مختلف جگہوں پر نامور علماء سے ملنے کے بعد دکن آیا، اور گول کنڈہ کے قطب شاہ کے دربار سے منسلک ہو گیا۔ اکبر کے ستائیسویں جلوس میں فتح پور سیکری آیا .... یہاں ملّا احمد نے دیکھا کر فضا سازگار ہے، کوئی میرا مخالف نہیں تو اس نے اپنی لغو اور بیہودہ شیعی تعلیمات کو پھیلانا شروع کر دیا۔" [۱۵]

اکبر کے دربار میں یہ رائے عام تھی کہ ملّتِ اسلام جاہل بدوؤں میں پیدا ہوئی تھی، کسی مہذب و شائستہ قوم کے لیے وہ موزوں نہیں۔ نبوت، وحی، حشر و نشر، دوزخ و جنت، ہر چیز کا مذاق

اڑایا جانے لگا۔ قرآن کا کلام الٰہی ہونا مشتبہ، وحی کا نزول عقلاً مستبعد، مرنے کے بعد ثواب و عذاب غیر یقینی، البتہ تناسخ ہر آئینہ ممکن و اقرب الی الصواب قرار پایا، کہ شیعیت کے قریب تھا۔ معراج کو علانیہ محال قرار دیا جاتا، ذاتِ نبوی ﷺ پر اعتراضات کیے جاتے ـــــ خصوصاً آپ ﷺ کی ازواج کے تعدد پر اور آپ ﷺ کے غزوات و سرایا پر! ــــ یہاں تک کہ لفظ احمد اور محمد سے بھی بیزاری ہو گئی، اور جن کے ناموں میں یہ شامل تھا، ان کے نام بدلے جانے لگے۔ دنیا پرست علماء نے اپنی کتابوں کے خطبوں میں نعت لکھنی چھوڑ دی اور شیعوں میں تو ویسے بھی کوئی نامور نعت نویس نہیں گزرا..... ابوالفضل نے نماز، روزہ، حج اور دوسرے شعائرِ دینی پر سخت اعتراضات کیے اور ان کا مذاق اڑایا۔ شعراء نے ان شعائر کی ہجو لکھی جو عوام کی زبانوں تک بھی پہونچی [۱۶] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

ان علمی مجالس کے "مباحثوں" کے دو نتائج برآمد ہوئے۔ ایک تو یہ کہ بڑے بڑے علماء اور مفتیوں نے ایک محضر پر دستخط کیے، جو اس بات کا اقرار تھا کہ اکبر معصوم عن الخطاء ہے، امام عادل ہے، اللہ کا برگزیدہ ہے، مجتہدِ مطلق ہے۔ تمام مذہبی مناقشوں میں اس کی رائے آخری فیصلہ ہوگا اور سب مسلمانوں پر اس کا ماننا واجب ہوگا۔ دوم یہ کہ اس نے ایک نیا مذہب دینِ الٰہی کے نام سے جاری کیا، جس میں محمد اور قرآن سے انکار کر دیا گیا اور خود اکبر نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا۔[۱۷] یہ دونوں باتیں بظاہر شیعیت سے متعلق نظر نہیں آتیں، مگر ہم نے اس وجہ سے ان کا ذکر کیا ہے کہ ان مباحث میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے، نئے دین پر اکسانے اور اس کی ترغیب دینے والے سب شیعہ تھے۔ (BILLIMALLA) بکلمر اپنے مضمون "اکبر کے دینِ الٰہی کی نئی توجیہ" میں کہتا ہے کہ:

"یہ مذہبی سے زیادہ سیاسی تھا۔ اکبر اور اس کے مشیر تو اپنے آپ کو ایران کے اس چنگل سے آزاد کرانے کی فکر میں تھے جو ایرانی، ہندوستان میں مغلوں کا زور توڑنے کے لیے ان پر ڈال رہے تھے۔ ایک براہِ راست، دوسرے دکن کی شیعی ریاستوں کی طرف سے ــــ اکبر نے کبھی بھی اپنے آپ کو شیعہ یا سنی ظاہر کرنے کے لیے آزاد نہ پایا۔ اگر وہ اپنے آپ کو سنی ظاہر کرتا تو ایرانی اور دکنی قوتیں مخالفت میں شدید تر ہو جاتیں، اور اگر شیعہ ظاہر کرتا تو اپنے باپ دادا کی خود مختار سلطنت کے دعوے سے گویا دست بردار ہو جاتا۔ اکبر نئے دین کے اجراء اور امام عادل کا لقب اختیار کرنے کے بعد ایران کے شہنشاہ کے اختیارات سے بڑھ گیا۔ ایران اگرچہ مغل بادشاہوں کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتا تھا لیکن ایران کا بادشاہ اصل میں خود مختار نہ ہوتا تھا، وہ شیعہ علماء

مجتہدین کا دستِ نگر ہوتا۔ شاہِ ایران کو صورتِ حال کا علم ہوگیا، اس نے والیٔ مسقط کو دھمکی آمیز خط لکھا کہ اکبر کو فوراً میرے حوالے کردو، وگرنہ فوج کشی کی جائے گی، اکبر ایران گیا، شاہِ ایران نے اس کی بہت مہمان نوازی کی لیکن اپنے باپ کو شکست دینے کے لیے اسے فوج فراہم نہ کرسکا۔"

اکبر ۱۷۰۶ء میں ایران ہی میں مرگیا، شاہِ ایران نے اس کے مرنے پر لکھا کہ :

"اس کا انجام بہت اچھا ہوا کہ امام رضا کے مقبرے کے احاطے میں لیٹے ہوئے اس کی موت واقع ہوئی۔"

شیعی اثرات، ہندوستان میں ایرانی بادشاہوں کے توسط سے ہوتے تھے۔ یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اکبر کے دینِ الٰہی ایجاد کرنے کی وجہ محض تجدد پسندی نہ تھی، بلکہ وہ اپنے آپ کو ایرانی بادشاہوں کے تحکم اور تغلب سے آزاد رکھنا چاہتا تھا۔ جہاں گیر کے عہد میں شیعی اثرات دکنی ریاستوں میں بڑھ گئے تھے۔ اکبر کی موت پر شاہ عباس (شاہِ ایران) نے افسوس کے لیے ایک سفارت بھیجی اور ساتھ ہی دوسری طرف جہاں گیر کو پیغامِ تہنیت بھی! — جہانگیر نے مغلیہ دور کا سب سے بڑا سفارتی مشن شاہ کے دربار میں بھیجا، اس کا سفیر خان عالم تھا۔ ایران کے بادشاہ نے خان عالم کا والہانہ استقبال کیا۔ اس موقع پر خانِ عالم نے کہا کہ "میرے اور جلاوطن بادشاہ کے درمیان دوستانہ روابط ابھی تک موجود ہیں۔ اور جیسا کہ شاہ ایران نے اسے بھائی کہا ہے، تو یہ قدرتی امر ہے کہ بھائی کا بھائی میرا بھائی ہوا!" شاہی ضیافت، اور شکار کا بندوبست کیا گیا یہ سفیر ۱۶۱۹ء تک ایرانی دربار میں رہے۔ یہ وہی وقت ہے، جب ایرانی شاہ کے پاس بیجاپور، احمد نگر اور گول کنڈہ سے سفارتیں آرہی تھیں، اور یہ اپنے نمائندے وہاں بھیج رہے تھے۔ یہ یقین کرنے میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ احمد خاں کے سامنے ہو رہا تھا اور وہ اس کے نتائج و عواقب اور ان سفارتوں کے مقاصد سے بھی آگاہ تھے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ جہاں گیر جانتا تھا کہ شاہِ ایران ان ریاستوں کی مکمل آزادی اور خود مختاری کے لیے سازشیں کر رہا ہے —— اس میں شیعہ سُنی کا کیا رشتہ ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جہانگیر کا قاصد بھی شیعہ تھا۔ یہ ایلچی جب ایران سے ہندوستان کے لیے روانہ ہوا تو شاہ نے دُور تک اس کی متابعت کی، مصافحہ و معانقہ کیا، دیر تک بغل گیر ہوا، حتیٰ کہ جب عباس اور جہاں گیر کے درمیان تعلقات صرف مصنوعی سے رہ گئے تو بھی شاہِ ایران خانِ عالم کو محبت بھرے خطوط لکھتا رہا۔

شاہِ ایران دکنی ریاستوں کی مدد صرف اس صورت میں کرسکتا تھا کہ ہندوستان کی شمال مغربی

سے دست کش ہو کر بیٹھ گئے، جن میں حضرت آصف جاہ اول بانی حکومت آصفیہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ___ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"نئے امیروں کی گرم بازاری اور پرانے ذریں امراء کی کساد بازاری کو دیکھ کر حضرت آصف جاہ اول مغل حکومت کی ملازمت سے مستعفی ہو کر شاہجہاں آباد پہنچے اور درویشانہ لباس اختیار کر کے خانہ نشین ہو گئے۔"

ساداتِ بارہہ کی مخالفت میں ترکمانی وائسرائے دکن جناب نظام الملک آصف جاہ پیش پیش تھے۔ آصف جاہ کو سادات نے ہی جہاندار شاہ کی معزولی اور فرخ سیر کی تعیناتی کے لیے غیر معمولی تعاون کے صلے میں اس مقام پر پہنچایا تھا۔ اس وقت آصف جاہ کے ساتھ ایک ایرانی سعادت خاں نامی شخص تھا، جو شیعوں کا سرکردہ تھا۔ سید احمد حسین علی خاں کو ۱۷۲۰ء میں قتل کر ڈالا گیا، اس کے بعد صرف سید عبداللہ ہی ایسا شخص تھا جو محمد شاہ کی جگہ کسی اور کٹھ پتلی حکمران کو لا سکتا تھا، لیکن چند ہی ماہ بعد سید عبداللہ کو ایک جنگ میں شکست ہوئی۔ قید ہوا اور عمر بھر کے لیے زندان میں ڈال دیا گیا۔ محمد شاہ کے دور تک (۱۷۳۷ء) ساداتِ بارہہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے گئے حتیٰ کہ وہ ایک فوجی ایکشن کے ذریعے وسیع طور پر تہہ تیغ کر دیے گئے۔ یہ واقعہ جنستھ ضلع مظفر نگر میں جو اس تاریخی خاندان کا مسکن تھا، پیش آیا۔ اس خاندان کی باقیات ابھی تک جنستھ میں آباد ہیں۔

شیعیت کے اثرات ہندوستان پر

اس میں شک نہیں کہ ساداتِ بارہہ سیاست میں اس حد تک موثر تھے کہ وہ جو چاہتے کرتے، اور شیعیت کا فروغ ہی انھوں نے اپنا نصب العین بنائے رکھا۔ شیعوں اور شیعیت نے اس خاندان سے بڑا عروج پایا۔ اورنگ زیب ایک کٹر سنی تھا، اس کے امراء کی اکثریت سنی تھی،[۲۰] مگر اس کی سنیت کے خوف سے ان لوگوں نے اپنے آپ کو تقیہ کی آڑ میں چھپائے رکھا۔ بہادر شاہ نے، جو ایک شیعہ تھا اور ساداتِ بارہہ ہی نے اسے بادشاہ بنایا تھا، جزیہ معاف اور محصول ختم کر دیا۔ نیز پوری سلطنت میں، دورانِ اذان علی رضی اللہ عنہ کے "خلیفۃ اللہ اور وصی رسول اللہ" ہونے اور خطبہ کو شیعی طرز پر پڑھنے کا فرمان جاری کر دیا۔ اس سے لاہور اور آگرہ میں سخت کشیدگی پھیل گئی، اسی کشمکش میں بعض سنی رہنماؤں کو گوالیار کے قلعہ میں عمر قید کی سزا بھی سنائی گئی۔ احمد آباد

میں خطیب مسجد کو آئندہ سنی طرز کا خطبہ پڑھنے سے روک دیا گیا اور اس نے احکام کی بجا آوری کرتے ہوئے شیعی خطبہ پڑھا۔ جونہی خطیب کے منہ سے لفظ "وصی رسول اللہ" نکلا، ایک پنجابی اٹھا اور اس نے خطیب کو گردن سے پکڑ کر منبر سے نیچے پٹخ دیا، اور اوپر سے ٹھڈوں اور مکوں کی بارش کر دی۔ ایک تورانی مغل آگے بڑھا، اپنا چاقو نکالا اور خطیب کے پیٹ میں گھونپ دیا، بعد میں اس کی لاش کو قلعہ کے باہر گھسیٹا گیا۔

یہ بلوے اس قدر پھیل گئے کہ بادشاہ کو اپنے احکامات واپس لینے پڑے۔ چند دنوں کے بحث و مباحثہ کے بعد شوال کے آخر میں خطبہ کے موضوع پر ایک اپیل دائر کی گئی، اس پر بہادر شاہ نے خود اپنے ہاتھ سے فیصلہ لکھا کہ آئندہ سے خطبہ جمعہ اسی طرح پڑھایا جائے گا جس طرح اورنگ زیب کے دور میں پڑھا جاتا تھا۔

فرخ سیر کے دور میں بھی یہ بلوے جاری رہے۔ سعادت کا بھانجا صفدر جنگ، احمد شاہ کا وزیر بنا، اس کے دور میں بھی دہلی میں شیعہ سنی فسادات ہوئے۔ نادر شاہ نے ۱۷۳۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی کو برباد کرنے کے بعد ایران واپس چلا گیا۔ ایران کی طرف سے دوسرا حملہ عالم گیر ثانی (۱۷۵۴ - ۱۷۶۰ء) کے دور میں ہوا۔ مرہٹوں نے ۱۷۶۰ء میں پانی پت کی جنگ میں دہلی کو فتح کر لیا۔ جس نے آخر کار مغلیہ حکومت کا خاتمہ کر ڈالا اور یہ حکومت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئی۔ اس سب بربادی کے باوصف مغلوں سے شیعیت کا اثر زائل نہ ہو سکا، حتیٰ کہ ۱۸۵۳ء میں بہادر شاہ ثانی نے خفیہ طور پر ایرانیوں کو اپنے شیعہ ہونے کا یقین دلایا۔[۲۱]

اس وقت کے شاہی فیصلے بہت سے ایسے دیگر واقعات کی نشاندہی کرتے ہیں، جن سے شیعی اثرات کے گہرے نفوذ و اثر کا پتہ چلتا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں صرف دو واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پہلا تو یہ کہ جتنے شیعہ اُمڈ اُمڈ کر سیلاب کی مانند ہندوستان آئے، وہ سب کے سب دربارِ شاہی ہی سے منسلک نہ ہو گئے تھے، بلکہ ان کی اکثریت یہاں چپ چاپ خاموشی کے ساتھ رہ رہی تھی۔ جس کی عمدہ مثال سید علی الحیری مجتہد شیعانِ لاہور کی ہے۔ وہ امام موسیٰ کی اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جو قم چھوڑ کر کشمیر میں آ بسے تھے، ان کی نسل پنجاب اور متحدہ صوبہ جات میں منتشر ہو گئی تھی۔ سید علی الحیری مجتہد کی اولاد لاہور میں آ بسی اور یہ وہی وقت تھا، جب ایک قزلباش خاندان افغانستان سے ہندوستان آیا۔ قزلباشی نوابوں اور مجتہد خاندانوں کے تعلقات بڑھتے رہے، دونوں شیعہ ہونے کی وجہ سے آپس میں شیر و شکر ہو گئے اور پوری سوسائٹی میں شیعی اثرات نمایاں ہونے لگے۔

اور دوسری مثال قاضی نور اللہ ابنِ شریف الحسن اعراشی شوستری کی ہے، جو ۱۵۹۶ء میں ایران کے ایک شہر شوستر میں پیدا ہوا، اور ۱۵۸۷ء میں ہندوستان آیا۔ اس کے متعلق ہم شیخ محمد اکرام کی کتاب رودِ کوثر سے ایک اقتباس درج کرتے ہیں، جو انھوں نے شیعہ کی کتاب "نجوم السماء فی تراجم العلماء" سے نقل کیا ہے:

"سید صاحب ہمیشہ مخالفین کے درمیان تقیہ کرتے تھے اور اپنے مذہب کو ان سے مخفی رکھتے تھے۔ انھیں اہلِ سنت کے مذاہبِ اربعہ کے فقہی مسائل پر ید طولیٰ حاصل تھا، اس لیے اکبر بادشاہ اور عام لوگ انھیں سنی المذہب سمجھتے تھے جب اکبر بادشاہ کو ان کے علم و فضل اور لیاقت سے آگاہی ہوئی تو انھیں قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ سید صاحب نے کہا کہ میں ایک شرط پر اس خدمت کو قبول کرتا ہوں کہ مذاہب اربعہ، یعنی شافعی حنفی حنبلی اور مالکی طریقوں میں سے جس کے موافق میری رائے اور اجتہاد ہوگا، اسی کے مطابق میں فتویٰ دوں گا۔ اور چونکہ غور و نظر اور استدلال کی قوت حاصل ہے، اس لیے تمام مسائل و احکام میں ایک فقہی مذہب کا پابند نہیں ہوں، تاہم اپنے اجتہاد میں اہلِ سنت کے چار فقہی مذاہب سے باہر نہیں جاتا۔ بادشاہ نے یہ بات مان لی، چنانچہ انھوں نے تمام مسائلِ قضاء و احکام میں امامیہ مذہب کے مطابق فتویٰ دینا شروع کر دیا۔ اگر کوئی اعتراض کرتا تو فرما دیتے کہ میرا یہ فتویٰ اہلِ سنت کے چار فقہی مذاہب میں سے فلاں کے مطابق ہے۔ چنانچہ ان کے بعض فتوے مذہبِ شافعی، بعض حنفی، بعض مالکی، بعض حنبلی مذہب کے مطابق ہوتے، اور تقیہ کی اس حالت میں شیعہ احکام کو جاری کرتے۔" (رودِ کوثر ص ۴۰۰)

(بشکریہ "محدث" بنارس (انڈیا)

حواشی

۱ : ہیگ کیمبرج کی تاریخِ ہند

۲ : انسائیکلوپیڈیا آف اسلام "تیمور"

۳ : ای، جی براؤن "تاریخ ادبیاتِ فارسی"

۴ : ایرسکن (Erskine) "تاریخ ہند"

۵ : بکلر (Buckler) اکبر کے "اختیارِ مطلق" کی نئی توجیہ۔
۶ : دائرہ معارفِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی۔
۷ : بکلر (Buckler) اکبر کے "اختیارِ مطلق" کی نئی توجیہ۔
۸ : "ہندوستانی اسلام" از ٹائی ٹس
۹ : دائرہ معارفِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی
۱۰ : تاریخِ فرشتہ
۱۱ : "ایرسکن" (Eriskane) تاریخِ ہندوستان
۱۲ : "مارشمین" (Marsh man) تاریخِ ہند۔
۱۳ : "ہولسٹر" شیعانِ ہند
۱۴ : منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی
۱۵ : ایضاً
۱۶ : تجدید و احیائے دین از مولانا مودودیؒ
۱۷ : ہولسٹر (Hollister) شیعانِ ہند
۱۸ : ایضاً
۱۹ : تذکرہ شاہ ولی اللہ از مناظر احسن گیلانی
۲۰ : ہولسٹر (Hollister) شیعانِ ہند
۲۱ : ایضاً ، وانڈین اسلام از ٹائی ٹس

قارئینِ کرام

• شمارہ نہ ملنے اور مینجر سے متعلقہ امور کے لیے درج ذیل پتہ نوٹ فرمالیں :

مینجر "حرمین" جامعہ علومِ اثریہ پوسٹ بکس ۱۱ جہلم۔

صفحہ اول پر موجود کیلیانوالہ (ضلع گوجرانوالہ) کا پتہ صرف مدیر سے خط و کتابت کے لیے ہے !

جناب منیر احمد وقار متعلم جامعہ

مدیر الجامعہ کے اخباری بیانات

طلبائے جامعہ کا سیاحتی دورہ

THE DAILY
Pakistan
LAHORE

DAILY
NAWA-I-WAQT
RAWALPINDI

اتوار 27 جمادی الثانی 1414ھ 12 دسمبر 1993ء 27 مگھر 2050ب

سردار آصف احمد علی کو وزیر خارجہ مقرر کر کے نسوانی حکومت نے نااہلی ثابت کر دی ہے

جہلم (نامہ نگار) وزارت خارجہ ایسے اہم منصب پر سردار آصف احمد علی ایسے غیر ذمہ دار شخص کو فائز کر کے موجودہ نسوانی حکومت نے اپنی نااہلیت پر خود مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ان خیالات کا اظہار جمعیت اہلحدیث کے ممتاز رہنما اور جامعہ علوم اثریہ جہلم کے پرنسپل حافظ عبدالحمید عامر فاضل مدینہ یونیورسٹی نے جامع مسجد اہلحدیث محلہ مستریاں میں ایک عظیم الشان جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو ویسے بھی عورت کی حکمرانی سے خیر کی توقع نہیں ہے۔ مگر وزارت خارجہ حساس محکمہ کی وزارت ایک ایسے شخص کے حوالے کر کے ملک کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو گزشتہ حکومت سے استعفےٰ دینے کے لئے بلائی گئی پریس کانفرنس میں ایک دشمن ملک بھارت کے سفارتکاروں کی موجودگی میں پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دیکر یہود و ہنود کے ناپاک عزائم کی تکمیل کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور پاکستان کے پرامن ایٹمی پروگرام کو رول بیک کرنے کے امریکی اور ہندوانی منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اور مقبوضہ کشمیر میں جاری تحریک آزادی کشمیر کو سبوتاژ کرنے کے لئے راہ ہموار کرتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو وزیر خارجہ کی حیثیت سے باقی رکھنا ملک و ملت کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے۔ انہوں نے سردار آصف کو فوری طور پر برطرف کرنے کا مطالبہ کیا۔

سردار آصف کو برطرف کیا جائے

جہلم (نامہ نگار) وزارت خارجہ کے منصب پر سردار آصف احمد علی کو فائز کر کے حکومت نے نااہلی پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ان خیالات کا اظہار جمعیت اہلحدیث کے راہنما اور جامعہ علوم اثریہ کے پرنسپل حافظ عبدالحمید عامر نے جامع مسجد اہلحدیث محلہ مستریاں میں جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ جلسہ میں متفقہ قرارداد کے ذریعے مطالبہ کیا گیا کہ سردار آصف احمد علی کو برطرف کیا جائے۔ اس موقع پر قاری عبدالحفیظ، حافظ احمد حقیق اور مولانا میاں محمود عباس نے بھی خطاب کیا۔

پیر 28 جمادی الثانی 1414ھ 13 دسمبر 1993ء 28 مگھر 2050ب

سردار آصف کو وزیر خارجہ بنا کر حکومت نے اپنی نااہلی کا ثبوت دے دیا ہے، حافظ عبدالحمید عامر

جہلم (ڈسٹرکٹ رپورٹر) وزارت خارجہ ایسے اہم منصب پر سردار آصف احمد علی ایسے غیر ذمہ دار شخص کو فائز کر کے موجودہ حکومت نے اپنی نااہلیت پر خود مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ان خیالات کا اظہار جمعیت اہلحدیث کے ممتاز رہنما اور جامعہ علوم اثریہ جہلم کے پرنسپل حافظ عبدالحمید عامر نے جامع مسجد اہلحدیث محلہ مستریاں میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو ویسے بھی عورت کی حکمرانی سے خیر کی توقع نہیں ہے مگر وزارت خارجہ جیسی حساس وزارت ایک ایسے شخص کے حوالے کر کے ملک کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس نے بھارتی سفارتکاروں کی موجودگی میں پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دیا تھا۔

DAILY
KHABRAIN

پیر 28 جمادی الثانی 1414ھ 13 دسمبر 1993ء 28 مگھر 2050 ب

سردار آصف احمد علی کو وزیر خارجہ بنانا خربوزوں پر گیدڑ متعین کرنے کے مترادف ہے' حافظ عبدالحمید

جہلم (ڈسٹرکٹ رپورٹر) وزارت خارجہ جیسے اہم منصب پر سردار آصف احمد علی جیسے غیر ذمہ دار شخص کو فائز کر کے موجودہ نسوانی حکومت نے اپنی نااہلیت پر خود مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ان خیالات کا اظہار جمعیت اہلحدیث کے ممتاز رہنما اور جامعہ علوم اثریہ جہلم کے پرنسپل حافظ عبدالحمید عامر نے جامع مسجد اہلحدیث محلہ مستریاں میں ایک عظیم الشان جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا ہمیں تو ویسے بھی عورت کی حکمرانی سے خیر کی توقع نہیں ہے مگر وزارت خارجہ جیسے حساس محکمہ کی وزارت ایک ایسے شخص کے حوالے کر کے ملک کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کی کوشش کی ہے، جو گزشتہ حکومت سے استعفیٰ دینے کیلئے بلائی گئی پریس کانفرنس میں ایک دشمن ملک بھارت کے سفارتکاروں کی موجودگی میں پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دیکر یہود و ہنود کے ناپاک عزائم کی تکمیل کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جسکے سبب حکومت نے اسکے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج کر کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کئے ہوں' ایسے ناپسندیدہ شخص کو وزیر خارجہ بنانے کا اقدام تو خربوزوں کی نگرانی پر گیدڑوں کو متعین کرنے کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔ جامعہ اثریہ للبنات کے پرنسپل حافظ احمد شفیق نے سرائے عالمگیر کے قریب نہر اپر جہلم میں بس کے المناک حادثہ پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے جاں بحق ہونے والوں کے لئے دعائے مغفرت کی اور ان کے ورثاء اور لواحقین کیلئے صبر جمیل کی دعا کی۔ جلسہ سے مولانا میاں محمد عباس خطیب تبوکی اور دیگر مقررین نے بھی خطاب کیا۔

گزشتہ دنوں جامعہ علوم اثریہ نے طلباء کے لیے ایک مختصر سیاحتی دورے (ٹور) کا اہتمام کیا، جس میں جامعہ کی تمام فروعات کے طلباء شریک ہوئے۔ اس ٹور میں طلباء کے دو گروپ اسرہ تبوک اور اسرہ بدر کے درمیان چار مقابلے ہوئے، جن میں سے دو اسرہ بدر نے اور دو اسرہ تبوک نے جیتے اور انعامات بھی حاصل کیے۔ تقسیم انعامات سے قبل رئیس الجامعہ فضیلۃ الشیخ علامہ محمد مدنی صاحب نے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ان سیاحتی پروگراموں کا مقصد محض سیر و تفریح نہیں ہوتا، بلکہ ان سے طلباء کی غیر نصابی سرگرمیوں کو اجاگر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ بعد ازاں جامعہ کے نائب شیخ الحدیث فضیلۃ الشیخ حافظ مولانا ثناء اللہ صاحب زاہدی، مدیر الجامعہ فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالحمید صاحب عامر، مدیر التعلیم والامتحانات فضیلۃ الشیخ محمد اکرم جمیل صاحب اور فضیلۃ الشیخ مولانا محمد ادریس صاحب تبسم نے بھی مختصر خطابات فرمائے۔ آخر میں مدیر التعلیم والامتحانات نے کامیاب طلباء کو قیمتی انعامات سے نوازا اور اللہ تعالیٰ کے حضور طلباء کی صلاحیتوں میں اضافہ کی دعائیں کی۔ یہ ٹور شام پانچ بجے اختتام پذیر ہوا۔

یاد رہے کہ طلباء کا یہ ٹور موضع جرڈول بالمقابل منگلا جھیل پر قیام پذیر ہوا، جہاں علاقے کے لوگوں نے اساتذہ و طلباء کی ضیافت کا انتظام بھی کیا۔